سورة الحج

آیات ۳۹- ۴۸

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۗ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ﴿٣٩﴾ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّ
صَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٤٠﴾
اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ
عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ﴿٤١﴾ وَإِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۙ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ إِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ
ۙ ﴿٤٣﴾ وَّأَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَأَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّنْ
مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿٤٥﴾ أَفَلَمْ
يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ أَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَ
لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۗ وَإِنَّ يَوْمًا
عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ وَإِلَيَّ
الْمَصِيْرُ ؏ ﴿٤٨﴾

سُوْرَةُ الحَجّ

مکیۃ مدنیۃ

آیات 78

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ

ملتِ ابراہیم کی نمائندہ امت کی تشکیل، شرک کی قیادت سے بیت اللہ کی تولیت چھین کر توحید کی بنیاد پر دین کا قیام، شہادتِ علی الناس اور دفاعی جہاد کے ذریعے اللہ کی حاکمیت کے عملی نفاذ کی جدوجہد

منکرینِ توحید، قیامت و آخرت سے مجادلہ

آیات 1-37

آیات 1 تا 7

قیامت اور بعث کے احوال۔ مخالفین کو انذار- آیاتِ آفاق و انفس سے استدلال

آیات 8 تا 16

شرک، مفاد پرستی اور باطل امیدیں
شرک کے سہارے پر قائم جھوٹا اطمینان

آیات 17 تا 24

حق و باطل خدا کی عدالت میں ۔ مشرکین اور مسلمانوں کا متضاد کردار و انجام

آیات 25 تا 37

ملتِ ابراہیم اور بیت اللہ کی اصل حقیقت (ملتِ ابراہیم کی مسخ شدہ وراثت)

سنتِ الٰہی : تصادمِ حق و باطل، جہاد و قتال، تطہیرِ بیت اللہ، ہجرت اور غلبہ

آیات 38 - 60

آیات 38 تا 41

بیت اللہ کے ناجائز متولین کے خلاف جہاد و قتال کی اجازت
اسلامی حکومت کی 4 اہم ذمہ داریاں

آیات 42 تا 52

تکذیبِ رسل اور سنتِ الٰہی- (تاریخ کی شہادت، مہلتِ عذاب اور ہلاکت کی دھمکی)

آیات 53 تا 57

سنتِ ابتلا اور غلبۂ حق / فتنۂ شیاطین اور کھرے کھوٹے کی پہچان

آیات 58 تا 60

اہلِ ایمان کی ہجرت اور انجامِ خیر

خاص اللہ کی عبادت

آیات 61 - 78

آیات 61 تا 66

توحیدِ ربانی کے عقلی و آفاقی دلائل / ربوبیتِ الٰہی کی نشانیاں

آیات 67 تا 72

دعوتِ توحید اور مخالفین کا جارحانہ ردِّ عمل (دعوت، مخالفت، اور انجام)

آیات 73 تا 76

شرک اور شفاعتِ باطل کا حتمی ابطال۔ قرآن حکیم کی دعوت

آیات 77 تا 78

مسلمانوں کی اصل حیثیت کی وضاحت
وہ ابراہیمؑ کے جانشین اور اس منصب کے لیے منتخب ہیں۔
ان کا اصل فریضہ دنیا میں شہادتُ علی الناس ہے

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ - اجازت دی گئی ہے (جنگ کی) ان لوگوں کو | اَذِنَ يَاْذَنُ ، اِذْنًا : اجازت دینا

يُقٰتَلُوْنَ - جن سے جنگ کی جا رہی ہے | قَاتَلَ يُقَاتِلُ ، مُقَاتَلَةٌ : جنگ کرنا، لڑائی کرنا (III)

بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا - اس وجہ سے کہ ان پر ظلم کیا گیا

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ - اور بیشک اللہ ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔ | لَ : لامِ تاکید | قَدِيْرُ اصل میں قَدِيْرٌ ہے

الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا - وہ لوگ جن کو نکالا گیا | اَخْرَجَ يُخْرِجُ ، اِخْرَاجًا : نکالنا (IV)

مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ - اپنے گھروں سے ناحق | دِيَار : دَارٌ کی جمع (گھر)

اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ - صرف (اس قصور پر) کہ وہ کہتے تھے ہمارا رب اللہ ہے

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ - اور اگر نہ دفع کرتا رہتا اللہ انسانوں کو | دَفَعَ يَدفَع ، دَفْعًا : دفع کرنا، ہٹانا

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ - بعض کو بعض سے | بَعْضٌ : کسی چیز کا حصہ، ایک گروہ، کچھ لوگ | بَعْضٍ : دوسرے، دوسرے حصے / گروہ

لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ‏﴿۴۰﴾

لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ - تو ضرور مسمار کردی جاتیں خانقاہیں

لَ : لامِ تاکید

هَدَّمَ يُهَدِّمُ ، تَهْدِيْمًا : مسمار کرنا، ڈھادینا (II)

صَوَامِعُ : صَوْمَعَةٌ کی جمع (عیسائی راہبوں کے خلوت خانے، خانقاہیں- Monastery)

یہ لفظ ص و م کے مادے سے (صوم : بمعنی روزہ)، رک جانا، تھم جانا، ضبطِ نفس- ایسی جگہ جہاں انسان بول چال، میل جول اور دنیاوی سرگرمیوں سے رُک جائے

وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ - گرجے، عبادت خانے

بِيَعٌ : بِيْعَةٌ کی جمع (جہاں عیسائی عبادت کے لیے جمع ہوں- church)

بِيْعَة کا مادہ ب ي ع (جس کے ایک معنی عہد والتزام/بیعت/ covenant / commitment)-وہ جگہ جہاں لوگ ایک مذہبی عہد پر جمع ہوں

صَلَوٰتٌ: صَلوٰةٌ کی جمع (دعا کرنا، رکوع کرنا، جھکنا)

وہ مقامات جہاں منظم عبادت اور دعا کی جاتی ہے

یہودی عبادت گاہ(Synagogues)

وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا - اور مسجدیں یاد کیا جاتا ہے جن میں

اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا - اللہ کا نام کثرت سے۔

وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ - اور ضرور مدد کرتا ہے اللہ

لَ : لامِ تاکید

نَصَرَ يَنْصُرُ ، نَصْرًا : مدد کرنا

مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ - ان کی جو اس کی مدد کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ - یقیناً ہے اللہ بہت طاقتور اور زبردست

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿٣٩﴾ نِ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْ
لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيْزٌ ﴿٤٠﴾

اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں، اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اِس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے" اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کریں گے اللہ بڑا طاقتور اور زبردست ہے

Permission (to fight) has been granted to those for they have been wronged. Verily Allah has the power to help them: those who were unjustly expelled from their homes for no other reason than their saying: "Allah is Our Lord." If Allah were not to repel some through others, monasteries and churches and synagogues and mosques wherein the name of Allah is much mentioned, would certainly have been pulled down. Allah will most certainly help those who will help Him. Verily Allah is Immensely Strong, Overwhelmingly Mighty.

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ

مسلمانوں کو جہاد کی اجازت

- مسلمانوں کو سالہاسال سے تشدد و تعذیب کا نشانہ بنایا جارہا تھا۔ نت نئے طریقوں سے انھیں ستایا جارہا تھا۔ انھیں گھر بار چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا، لیکن اللہ نے انہیں ہاتھ باندھے رکھنے (كُفُّوٓا اَيْدِيَكُمْ) کا حکم دے رکھا تھا، خواہ انکے ساتھ کچھ بھی ہو
- یہ قتال فی سبیل اللہ کے بارے میں اولین آیت ہے جو نازل ہوئی۔ اس آیت میں صرف اجازت دی گئی تھی (کہ لڑائی کی صورت میں تم جواباً لڑ سکتے ہو)۔ یہ اذنِ قتال ہے۔ یہ حکم ذی الحجہ 1 ھ میں نازل ہوا (ت ق)
- اذنِ قتال کے چند مہینوں کے بعد رجب یا شعبان 2 ھ میں "حکمِ قتال" نازل ہوا (سورة بقرہ کی آیت 190، وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ، آیت 191) وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ، آیت 193 وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ، آیت 216 كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ اور آیت 244 وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔)

اس سے پہلے قتال کی اجازت کیوں نہ تھی؟

⇦ ابتدائی مکی دور میں مسلمانوں کو شدید مظالم کے باوجود جنگ کی اجازت اس لیے نہیں دی گئی کہ اس وقت نہ ان کی کوئی منظم اجتماعی ہیئت موجود تھی اور نہ کوئی مرکز، اور منتشر افراد کی مسلح مزاحمت فساد تو پیدا کر سکتی تھی مگر حق و عدل کے قیام کا ذریعہ نہیں بن سکتی تھی، جبکہ اسلام میں قتال صرف اسی مقصد کے لیے جائز ہے۔ اس مرحلے پر صبر و استقامت کی تربیت مقصود تھی، تاکہ ایک مضبوط اخلاقی بنیاد قائم ہو۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ

...اس سے پہلے قتال کی اجازت کیوں نہ تھی؟

⇦ ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمانوں کو مرکز، نظم، قیادت اور اجتماعی وحدت حاصل ہو گئی اور ساتھ ہی حرم اور بیت اللہ سے محرومی کا شدید احساس بھی پیدا ہوا، جس کے نتیجے میں مدافعانہ اقدام کی ضرورت واضح ہو گئی۔ چنانچہ جب تنظیمی قوت، امیر کی اطاعت اور اجتماعی ذمہ داری کا شعور پیدا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ذوالحجہ 1 ہجری میں دفاع کی اجازت عطا فرمائی، جو درحقیقت فوری قتال کا حکم نہیں بلکہ آئندہ مرحلے کے لیے تیاری اور اطمینانِ قلب کی بنیاد تھی کہ اب ظلم کے مقابلے میں حق کے تحفظ کا راستہ کھل چکا ہے۔

○ دوسری آیت میں مسلمانوں پر کیے جانے والے مظالم کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

○ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑا ظلم برداشت کرلیتا ہے لیکن وہ حتی الامکان اپنا گھر چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ گھر انسان کی عزت کی علامت اور اس کی حفاظت کا حصار ہے۔ اس کے چھن جانے کے بعد آدمی کی کوئی پناہ گاہ نہیں رہتی۔ کوئی اس کا حوالہ نہیں رہتا۔ کسی کے گھر چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لیے زندہ رہنا ناممکن بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام کا اپنے گھروں اور وطن کو چھوڑنا ایسے ہی تمام مصائب کا نتیجہ تھا اور ایسے ہی بے پناہ مظالم تھے جس نے مسلمانوں کو ہجرت پر مجبور کیا تھا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ان سے وطن چھڑا لیا گیا، گھر چھین لیا گیا، لیکن ان کا کوئی قصور نہیں بتایا گیا کیونکہ وہ اپنے معاملات اور سیرت و کردار میں ان لوگوں سے ہزار ہا درجہ بہتر تھے، ان کا قصور اگر کوئی تھا تو صرف یہ کہ انھوں نے شرک کی تمام آلودگیوں سے منہ پھیر کر اور شرک کے ہر آستانے سے سر اٹھا کر صرف اللہ کو اپنا رب قرار دیا تھا۔ اور یہی اللہ کی ربوبیت کا یقین ہے جو اللہ کے سوا ہر پرستش اور ہر اطاعت سے انسان کو آزاد کر دیتا ہے

وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ وَلَيَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ يَّنۡصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِىٌّ عَزِيۡزٌ ۝٤٠

جہاد کی حکمت (آیت 40)

- جہاد کی بنیادی حکمت یہ ہے کہ زمین پر حق و باطل کی دائمی کشمکش میں خیر کی قوتیں مٹ نہ جائیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب باطل منظّم گروہوں، ریاستی طاقت اور وسائل کے ذریعے نیکی کو کچلنے لگتا ہے تو صرف اخلاقی وعظ کافی نہیں رہتا؛ اس موقع پر اللہ نیک لوگوں کو کھڑا کرکے برائی کی قوتوں کو روکتا ہے، تاکہ فساد غالب نہ آ جائے۔
- جہاد ترکِ دنیا یا رہبانیت کا متبادل نہیں بلکہ ظلم کے عملی سدِّباب کا ذریعہ ہے۔ دنیا سے کنارہ کشی نے ہمیشہ خیر کی قوتوں کو کمزور کیا، جبکہ جہاد نے انبیاء اور صالحین کے ذریعے نیکی کو اجتماعی طاقت دی، جیسا کہ موسیٰ، طالوت، داؤد اور سلیمان علیہم السلام کی جدوجہد سے واضح ہے۔
- جہاد کا مقصد عبادت، دین اور انسانی زندگی کے مراکز کا تحفظ ہے، نہ کہ محض جنگ۔ قرآن کے مطابق اگر اللہ نیک لوگوں کے ذریعے ظالموں کو نہ روکے تو خانقاہیں، عبادت گاہیں یا اور مساجد باقی نہ رہیں؛ اس لیے جہاد دراصل انسانیت، دین اور خیر کے وجود کی بقا کی ضمانت ہے، نہ کہ تشدد کی خواہش۔
- حق و باطل کی آویزش مختلف ناموں سے ہمیشہ جاری رہی اور اب یہی مدینہ منورہ میں نئی تاریخ رقم کر رہی ہے۔

  نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی نہ حریف پنجہ شکن نئے   وہی قوت اسداللّٰہی وہی مرحبی وہی عنتری

- مسلمانوں کو تسلی۔ اللہ کا اٹل قانون ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کی مدد کرتے ہیں، اللہ خود ان کی مدد فرماتا ہے، خصوصاً وہ جو اس کی سربلندی کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہوں۔ چونکہ مسلمان اللہ کے دین اور بیت اللہ کی عظمت کی بحالی کے لیے جان و مال کی بازی لگا رہے ہیں، اس لیے اللہ ان کی ضرور نصرت فرمائے گا

اَلَّذِيۡنَ اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ‌ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۱﴾ وَاِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوۡدُ ۙ ﴿۴۲﴾

اَلَّذِيۡنَ - یہ وہ لوگ ہیں

اِنۡ مَّكَّنّٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ - کہ اگر اقتدار بخشیں ہم انھیں زمین میں

مَكَّنَ يُمَكِّنُ ، تَمْكِيْنًا : قائم کرنا، اقتدار دینا (II)

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ - تو قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوۃ

وَاَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ - اور حکم کرتے ہیں نیکی کا

اَمَرَ يَاْمُرُ ، اَمْرًا : حکم دینا

مَعْرُوْف : نیکی، بھلائی، اچھا کام

وَنَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡكَرِ - اور منع کرتے ہیں برائی سے۔

نَهٰى يَنْهٰى، نَهْىٌ : روکنا

اَلْمُنْكَرِ : برائی، ناپسندیدہ

وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ - اور اللہ کے لیے ہی ہے تمام معاملات کا انجام

عَاقِبَةُ : عاقبت، انجام، آخر

وَاِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ - اور اگر یہ جھٹلاتے ہیں آپ کو

كَذَّبَ يُكَذِّبُ ، تَكْذِيْبُ : جھٹلانا (II)

فَقَدۡ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ - تو جھٹلا چکی ہے ان سے پہلے

قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوۡدُ - نوح کی قوم اور عاد اور ثمود

وَ قَوۡمُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ قَوۡمُ لُوۡطٍۙ ﴿۴۳﴾ وَّ اَصۡحٰبُ مَدۡيَنَ‌ ۚ وَ كُذِّبَ مُوۡسٰى فَاَمۡلَيۡتُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ‌ ۚ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ

وَقَوۡمُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَقَوۡمُ لُوۡطٍ - اور قوم ابراہیم اور قوم لوط۔

وَّ اَصۡحٰبُ مَدۡيَنَ -اور مدین والے۔

وَ كُذِّبَ مُوۡسٰى - اور جھٹلائے گئے تھے موسیٰ بھی

فَاَمۡلَيۡتُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ - تو مہلت دی میں نے کافروں

اَمۡلٰى يُمۡلِىۡ ، اِمۡلَآءً : مہلت دینا، ڈھیل دینا (IV)

ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ - کو پھر پکڑ لیا انہیں

اَخَذَ يَاۡخُذُ ، اَخۡذًا : پکڑنا

فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ - تو (دیکھ لو) کیسا تھا میرا عذاب

نَكِيۡرِ اصل میں نَكِيۡرِى تھا، وقف کی وجہ سے ی گر گئی ہے- نَكِيۡرِ : انکار/عقوبت/عذاب

فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ - پھر کتنی ہی بستیاں ہیں

فَ ، كَ ، اَيِّنۡ= فَ -حرف عطف، كَ - حرفِ تشبیہ، اَيِّنۡ ۔استفہام

كَاَيِّنۡ : اصل میں كَاَىٍّ تھا، قرآنی املاء میں تنوین کو بصورت نون لکھا گیا ہے

اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ - کہ ہم نے ہلاک کر دیا انہیں اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں

اَهۡلَكَ يُهۡلِكُ ہلاک ہونا (IV)

فَهِىَ خَاوِيَةٌ - پس وہ اوندھی پڑی ہیں

خَوَى يَخۡوِى ، خَوَآءٌ گرنا، منہدم ہونا، ڈھے جانا، خالی ہونا

خَاوِيَةٌ گری ہوئی

عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَبِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ ﴿۴۵﴾

عَلٰى عُرُوۡشِهَا - اپنی چھتوں پر

عُرُوْشِ: عَرْشٌ کی جمع (چھت)

وَبِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ - اور (کتنے ہی) ناکارہ پڑے ہوئے کنویں ہیں

بِئْرٍ : کنواں

جمع - أبْآر / بِئار

یہاں لفظ "بِئْرٍ" واحد آیا ہے لیکن یہ جنس یا قسم کے لیے آیا ہے اس لیے ترجمہ جمع کے ساتھ

مُعَطَّلَة : ناکارہ پڑا ہوا

عَطَّلَ يُعَطِّلُ ، تَعْطِيْلٌ : زیور سے خالی ہونا، بے کار ہونا، ناکارہ ہونا (II)

مُعَطَّلَة : اسم مفعول مؤنث

وَّ قَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ - اور (کتنے ہی) مضبوط محل (ویران پڑے) ہیں

قَصْر : محل

(ش ي د) شَادَ يَشْيِدُ ، شَيْدٌ : پختہ کرنا، اونچا کرنا، مضبوط کرنا

مَشِيْد : مضبوط، اونچا- (اسم مفعول)

"بِئْرٍ" کی طرح " قَصْر " بھی واحد آیا ہے- قصر کی جنس کے طور پر
قرآن نے ان دونوں الفاظ کو عبرت اور ویران تہذیب کی زندگی کے
استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ
قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّن مِّن
قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿٤٥﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اے نبیؐ، اگر وہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو اُن سے پہلے قوم نوحؑ اور عاد اور ثمود، اور قوم ابراہیمؑ اور قوم لوطؑ، اور اہل مدین بھی جھٹلا چکے ہیں اور موسیٰؑ بھی جھٹلائے جا چکے ہیں ان سب منکرینِ حق کو میں نے پہلے مُہلت دی، پھر پکڑ لیا اب دیکھ لو کہ میری عقوبت کیسی تھی۔ کتنی ہی خطاکار بستیاں ہیں جن کو ہم نے تباہ کیا ہے اور آج وہ اپنی چھتوں پر اُلٹی پڑی ہیں، کتنے ہی کنویں بیکار اور کتنے ہی قصر کھنڈر بنے ہوئے ہیں

(Allah will certainly help) those who, were We to bestow authority on them in the land, will establish Prayers, render Zakah, enjoin good, and forbid evil. The end of all matters rests with Allah. (O Prophet), if they give the lie to you, then before them the people of 'Ad and Thamud, also gave the lie (to the Prophets), and so too did the people of Abraham and the people of Lot; and so did the dwellers of Midian, and Moses too was branded a liar. Initially I granted respite to the unbelievers for a while and then seized them. How dreadful was My punishment! How many towns have We destroyed because their people were steeped in iniquity: so they lie fallen upon their turrets! How many wells lie deserted; and how many towering palaces lie in ruins!

محمد اقبال

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

اسلامی حکومت کی چار اہم ذمہ داریاں — (مسلمانوں کے لیے اقتدار کی پیش گوئی بھی)

- جیسا کہ ان آیات کے بارے میں آیا ہے کہ یہ سفر ہجرت کے دوران یا متصلاً بعد آپ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری پر نازل ہوئی ہیں تو بعد میں آنے والی وقت کے لیے ایک منشور (manifesto) کا درجہ رکھتی ہے
- چونکہ عنقریب مدینہ میں آپ ﷺ کی حیثیت ایک بے تاج بادشاہ کی سی ہونے والی تھی اور مدینہ پہنچتے ہی آپ ﷺ کو اختیار واقتدار ملنے والا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیشگی بتادیا کہ اس صورت حال میں آپ ﷺ کی ترجیحات کیا ہوں گی؟
- اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اہلِ ایمان کو ہمیشہ کے لیے ایک منشور عطا کردیا ہے کہ کسی ملک میں اقتدار ملنے کی صورت میں انھیں کون کون سے امور ترجیحی بنیادوں پر انجام دینے ہوں گے:

1. اقامتِ صلوٰۃ (نماز کا نظام قائم کرنا): اسلامی حکومت کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ معاشرے میں نماز کو محض انفرادی عبادت نہ رہنے دے بلکہ اسے اجتماعی نظم اور عملی ترجیح بنائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دینی شعائر کو ریاستی سطح پر سہولت، تحفظ اور وقار حاصل ہو، تاکہ اللہ سے تعلق معاشرتی زندگی کا مرکز بن جائے۔
2. ادائے زکوٰۃ (معاشی عدل کا قیام): زکوٰۃ کا نظام اسلامی ریاست میں منصفانہ معاشی ڈھانچے کی بنیاد ہے۔ اس کے ذریعے دولت کی گردش، محروم طبقات کی کفالت اور طبقاتی تفاوت کا خاتمہ مقصود ہے۔ یوں اسلامی حکومت معاشی استحصال کے بجائے سماجی توازن قائم کرتی ہے۔ اور غربت، معاشی ناہمواری اور استحصال کا خاتمہ کرتی ہے۔ اس میں زکوٰۃ کی وصولی، مستحقین کی نشاندہی، اور اس کے منصفانہ وشفاف تقسیم کی نگرانی کے امور شامل ہیں

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

......اسلامی حکومت کی چار اہم ذمہ داریاں

3. امر بالمعروف (نیکی کا فروغ): تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ حکومت نیکی اور معروف کو صرف وعظ کی حد تک نہیں، بلکہ قانون، پالیسی، تعلیم اور اجتماعی ماحول کے ذریعے فروغ دے۔ تعلیمی نصاب، میڈیا، عدلیہ اور انتظامیہ سب کو اس رخ پر ڈھالنا کہ عدل، امانت، دیانت، حیا، صلہ رحمی، علم اور خیر خواہی کو تقویت ملے۔

معروف کا حکم دینا صرف "کہنا" نہیں، بلکہ ایک پورا ادارہ جاتی ethos ہے جس میں نیکی کو عزت اور برائی کو ذلت ملے

4. نہی عن المنکر (برائی کو روکنا): چوتھی اور نہایت اہم ذمہ داری یہ ہے کہ ریاست ظلم، فحاشی، بدعنوانی اور ناانصافی کو پنپنے نہ دے۔ منکر و برائی کو روکنے کے لیے قانونی و اخلاقی اقدامات کرے۔

نہی عن المنکر کا مطلب جبر نہیں بلکہ ظلم، بدعنوانی، سود، فحاشی، جھوٹی گواہی، حقوق تلفی، اور اجتماعی فتنوں کے خلاف مؤثر قانون سازی (یعنی ادارہ جاتی سطح پر برائی کی روک تھام)، تاکہ معاشرہ فساد سے محفوظ رہے۔

- اس آیت میں "تمکین فی الارض" کو براہِ راست ان چار ذمہ داریوں کے ساتھ جوڑ کر بتایا گیا کہ حقیقی اسلامی حکومت وہ ہے جو اقتدار کو عبادت، معاشی عدل، اخلاقی اور سماجی اصلاح کے لیے استعمال کرے، نہ کہ محض قوم، نسل یا طبقے کے مفاد کے لیے۔

- یہی چار ذمہ داریاں اس بات کی ضمانت ہیں کہ اقتدار اللہ کی امانت بنے، نہ کہ محض دنیاوی غلبہ۔

وَاِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّعَادٌ وَّ ثَمُوۡدُ ۙ﴿۴۲﴾ وَ قَوۡمُ اِبۡرٰهِيۡمَ وَ قَوۡمُ لُوۡطٍ ۙ﴿۴۳﴾ وَّ اَصۡحٰبُ مَدۡيَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوۡسٰى فَاَمۡلَيۡتُ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ثُمَّ اَخَذۡتُهُمۡ ۚ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ ﴿۴۴﴾ فَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ
اَهۡلَكۡنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا وَبِئۡرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِيۡدٍ ﴿۴۵﴾

آیات 42-45

- **مہلت -اللہ کی سنت (ایک وقت تک)**: اللہ تعالیٰ کا مستقل قانون یہ ہے کہ وہ رسولوں کی تکذیب پر فوراً عذاب نہیں بھیجتا، بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ سوچنے، سمجھنے اور رجوع کا موقع باقی رہے۔ یہ مہلت دراصل اللہ کی رحمت اور عدل دونوں کا اظہار ہے۔ لیکن جب یہ مہلت اصلاح کے بجائے سرکشی اور عناد میں بدل جاتی ہے تو پھر اللہ کی گرفت آتی ہے، اور وہ ایسی ہوتی ہے کہ قوم کی ہستی مٹا دیتی ہے۔
- **تاریخ بطور گواہ اور دلیل**: ان آیات میں نبی ﷺ اور اہلِ ایمان کو بتایا گیا ہے کہ مخالفت، تکذیب اور ظلم حق کے راستے میں نئی چیز نہیں۔ ہر نبی کو انہی مراحل سے گزرنا پڑا ہے، اس لیے اہلِ ایمان کو صبر، ثبات اور دعوت کے کام میں یکسوئی اختیار کرنی چاہیے۔ اللہ کی مدد اور اس کا وعدہ یقینی ہے، چاہے اس کا ظہور وقتی طور پر مؤخر ہو۔
- **تسلی و تنبیہ**: اہلِ ایمان کے لیے تسلی ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور کفار کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی مہلت کو غفلت یا بے خبری نہ سمجھیں۔ یہ مہلت دراصل آخری موقع ہے کہ وہ اپنے رویّے پر غور کریں اور حق کو قبول کریں۔ اگر انہوں نے اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا تو ان کا انجام بھی سابقہ قوموں سے مختلف نہیں ہوگا۔

⇦ آج خود دیکھ لو ! ظلم پر قائم رہنے والی کتنی ہی آباد اور مضبوط بستیاں ہلاک کر دی گئیں۔ آج ان کے مسکن کھنڈر بن چکے ہیں، کنوئیں جو زندگی کی علامت تھے ویران پڑے ہیں اور عالی شان محلات خاموش عبرت بنے کھڑے ہیں۔ یہ سب اس بات کی گواہی ہے کہ اللہ کی دی ہوئی مہلت ہمیشہ نہیں رہتی اور اسے غرور میں گزارنا ہلاکت کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے طاقت، دولت اور شان و شوکت پر بھروسہ کرنے کے بجائے ظلم سے باز آنا اور حق کی طرف لوٹ آنا ہی نجات کا راستہ ہے

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَہُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا ۚ فَاِنَّہَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾ وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ - پھر کیا نہیں یہ چلے پھرے زمین میں

سَارَ یَسِیْرُ ، سَیْرًا : چلنا پھرنا، سیر کرنا

فَتَکُوۡنَ لَہُمۡ قُلُوۡبٌ - کہ حاصل ہو جاتے ان کو ایسے دل

کَانَ یَکُوْنُ ، کَوْنًا : ہونا

یَّعۡقِلُوۡنَ بِہَاۤ - وہ سمجھتے ان سے

عَقَلَ یَعْقِلُ ، عَقْلًا : سمجھنا

اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا - یا ایسے کان کہ سنتے یہ ان سے (حق بات)

اٰذَانٌ : اُذُنٌ کی جمع (کان)

فَاِنَّہَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ - پس بیشک یہ آنکھیں اندھی نہیں ہو تیں

عَمِیَ یَعْمٰی ، عَمْیًا : اندھا ہو جانا

اَبْصَارُ : بَصَرٌ کی جمع (آنکھیں)

وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ - بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں

تَعْمٰی : واحد مؤنث کا صیغہ (مؤنث الفاظ کی وجہ سے)

الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ - جو سینوں میں ہیں

صُدُوْر : صَدْرٌ کی جمع (سینے)

وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ - اور وہ جلدی طلب کرتے ہیں آپ سے عذاب کو

(ع ج ل)

اِسْتَعْجَلَ یَسْتَعْجِلُ ، اِسْتِعْجَالًا : جلدی طلب کرنا (x)

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾

وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ - حالانکہ ہر گز نہیں خلاف کرتا اللہ اپنے وعدہ کے | اَخْلَفَ يُخْلِفُ ، اِخْلَافًا : خلاف کرنا (IV)

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ - اور بیشک ایک دن آپ کے رب کے نزدیک

كَاَلْفِ سَنَةٍ - ایک ہزار سال کی طرح ہے | كَ : حرف تشبیہ | اَلْف: ایک ہزار | سَنَة: سال

مِّمَّا تَعُدُّوْنَ - ان (دنوں) سے جو تم گنتے ہو۔ | عَدَّ يَعُدُّ ، عَدًّا : گننا، شمار کرنا

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ - اور کتنی ہی بستیاں ہیں

اَمْلَيْتُ لَهَا - میں نے مہلت دی ان کو (م ل ی) | اَمْلٰى يُمْلِيْ ، اِمْلَآءٌ : مہلت دینا (IV) | اردو میں:

وَهِيَ ظَالِمَةٌ - اس حال میں کہ وہ ظالم تھیں

ثُمَّ اَخَذْتُهَا - پھر میں نے پکڑ لیا انہیں | اَخَذَ يَاْخُذُ ، اَخْذًا : پکڑنا

وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ - اور میری طرف ہی لوٹنا ہے۔ | مَصِيْر : لوٹنے کی جگہ، ٹھکانہ، قرار گاہ، لوٹنا

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَتَکُوۡنَ لَہُمۡ قُلُوۡبٌ یَّعۡقِلُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ اٰذَانٌ یَّسۡمَعُوۡنَ بِہَا ۚ فَاِنَّہَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی
الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾ وَ یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالۡعَذَابِ وَ لَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ ؕ وَ اِنَّ یَوۡمًا عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ﴿۴۷﴾ وَ کَاَیِّنۡ مِّنۡ قَرۡیَۃٍ
اَمۡلَیۡتُ لَہَا وَ ہِیَ ظَالِمَۃٌ ثُمَّ اَخَذۡتُہَا ۚ وَ اِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ ﴿۴۸﴾

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ اِن کے دل سمجھنے والے اور اِن کے کان سُننے والے ہوتے ؟ حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں، یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں اللہ ہر گز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا، مگر تیرے رب کے ہاں کا ایک دن تمہارے شمار کے ہزار برس کے برابر ہُوا کرتا ہے، کتنی ہی بستیاں ہیں جو ظالم تھیں، میں نے ان کو پہلے مہلت دی، پھر پکڑ لیا اور سب کو واپس تو میرے پاس ہی آنا ہے

Have they not journeyed in the land that their hearts might understand and their ears might listen? For indeed it is not the eyes that are blinded; it is rather the hearts in the breasts that are rendered blind.
They ask you to hasten the punishment. Allah shall most certainly not fail His promise; but a Day with your Lord is as a thousand years of your reckoning-
How many towns did I respite at first though they were steeped in iniquity, and then I seized them! To Me are all destined to return.

محمد اقبال

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

تباہ شدہ بستیاں: عبرت کی نشانیاں

- اللہ تعالیٰ نے جن قوموں کو رسولوں کی تکذیب اور مسلسل ظلم کے نتیجے میں ہلاک کیا، وہ خود تو ختم ہو گئیں مگر ان کی بربادی کے آثار دانستہ طور پر باقی رکھے گئے۔ اجڑے ہوئے شہر، گرے ہوئے محلات اور ویران کنوئیں آج بھی یہ اعلان کرتے ہیں کہ دنیا کی طاقت، مادی خوشحالی اور انسانی تدبیر اللہ کے قانون سے بالاتر نہیں
- یہ بستیاں اس حقیقت کی گواہ ہیں کہ جب نعمتیں شکر کے بجائے غرور اور سرکشی کا سبب بن جائیں تو وہی نعمتیں زوال کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اللہ نے ان آثار کو اس لیے باقی رکھا تاکہ گزرنے والے صرف دیکھیں نہیں بلکہ رک کر سوچیں، اور یہ سوال کریں کہ آخر ایسی مضبوط قومیں کیوں مٹ گئیں۔ یہ کھنڈر بتاتے ہیں کہ ظلم کے ساتھ قائم ہونے والی آبادی کبھی پائیدار نہیں ہوتی۔ تاریخ کی یہ خاموش زبان ہر دور کے انسان کو تنبیہ کرتی ہے کہ انجام کو نظر میں رکھے بغیر جینا خود فریبی ہے۔

اصل اندھا پن: دلوں کا اندھا پن

- قرآن واضح کرتا ہے کہ اصل اندھا پن آنکھوں کا نہیں بلکہ دلوں کا ہوتا ہے۔ ان قوموں نے علم اور ترقی کو صرف مادی ضرورتوں کی خدمت تک محدود کر لیا، جس کے نتیجے میں اخلاقی حس، روحانی بالیدگی اور مقصدِ زندگی مفقود ہو گئے۔ مسلسل مادہ پرستی نے ضمیر کو سلا دیا اور دلوں کی روشنی بجھا دی، حالانکہ آنکھیں سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ جب انسان عبرت لینے کے بجائے تباہ شدہ بستیوں میں بھی صرف تہذیبی نمائش اور ثقافتی دلچسپی تلاش کرے، تو پھر انبیاء کی دعوت اور کتابِ الٰہی کی ہدایت بھی بے اثر ہو جاتی ہے۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں قومیں اپنے انجام کے قریب پہنچ جاتی ہیں (شَرُّ الْعَمَى عَمَى الْقَلْبِ حدیث)

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۖ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾

- دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک — نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری
- دلِ مردہ، دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ — یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

دل کا نور کر خدا سے طلب — آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

آیت 46 میں دل کو مرکزِ بصیرت قرار دینے کی حکمت

- قرآن مجید جب یہ کہتا ہے کہ "آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں" تو اس کا اسلوب سائنسی نہیں بلکہ ادبی، اخلاقی اور تذکیری ہے۔ قرآن انسان کے ساتھ دل کی زبان میں گفتگو کرتا ہے، کیونکہ ہدایت، گمراہی، قبولِ حق اور انکارِ حق کا اصل تعلق محض عقلِ حسابی سے نہیں بلکہ احساس، وجدان اور اخلاقی شعور سے ہے، اور یہ سب عربی ادب اور انسانی فہم میں دل کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے یادداشت، خوف، محبت، ندامت اور بصیرت جیسے افعال عام انسانی زبان میں دل ہی سے جوڑے جاتے ہیں، نہ کہ دماغ سے
- قرآن چونکہ سائنس کی کتاب نہیں بلکہ ہدایت اور نصیحت کی کتاب ہے، اس لیے وہ انسان کے اس باطن کو مخاطب بناتا ہے جہاں سے فیصلے جنم لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اصلاح انسان کے تمام بڑے داعیوں (جیس علامہ اقبال) نے بھی دل کی بیداری کو اصل مسئلہ قرار دیا، حالانکہ وہ دماغ کے کردار سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ان کے نزدیک بھی اصل خرابی عقل کی کمی نہیں بلکہ دل کی موت ہے، کیونکہ عقل دلیل دکھا سکتی ہے، مگر دل ہی قبول یا رد کا فیصلہ کرتا ہے

☚ قرآن نے دل کو مرکزِ بصیرت اس لیے قرار دیا ہے کہ ہدایت اور گمراہی کا فیصلہ عقل نہیں بلکہ وہ باطن کرتا ہے جہاں احساس، اخلاق اور ارادہ جمع ہوتے ہیں۔ اور وہ مقام دل ہے، دماغ نہیں۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ (٤٧) وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ (٤٨)

ایک مغالطے کا ازالہ

- مخالفین نبی ﷺ سے عذاب کے فوری نزول کا مطالبہ کر کے اسے محض دھمکی ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ عذاب میں تاخیر اس کے انکار کی دلیل نہیں بلکہ یہ سنتِ الٰہی کے تحت ہوتی ہے
- تاریخ گواہ ہے کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والی قومیں بالآخر اپنے انجام کو پہنچیں۔ اصل مغالطہ یہ ہے کہ لوگ اعمال کے نتائج کو فوری سمجھتے ہیں، حالانکہ قوموں کے عروج و زوال کا سفر دنوں اور مہینوں میں طے نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے صدیاں درکار ہوتی ہیں
- **انسانی وقت اور خدائی وقت کا فرق:** اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے انسانی گھڑیوں اور کیلنڈروں کے تابع نہیں ہوتے۔ انسان جس چیز کو دنوں، سالوں اور صدیوں میں ناپتا ہے، اللہ کے ہاں اس کا پیمانہ بالکل مختلف ہے۔ اللہ کے نزدیک ایک دن، انسانی حساب سے ایک ہزار سال کے برابر ہے، اس لیے عذاب یا فیصلے میں جو تاخیر انسان کو محسوس ہوتی ہے، وہ درحقیقت خدائی نظام میں کوئی تاخیر نہیں۔
- **جلدی کا مغالطہ اور انسانی محدودیت :** انسان اپنی محدود سوچ کی بنا پر چند سالوں کی مہلت کو بہت طویل سمجھ لیتا ہے اور اسے وعدے کی خلاف ورزی گمان کرتا ہے، حالانکہ اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ انسان خدائی معاملات کو اپنے چوبیس گھنٹوں کے دن کے پیمانے سے ناپنے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ اللہ کا نظام اپنی الگ تقویم کے مطابق چلتا ہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

خدائی دن: تمثیل برائے فہم :

- قرآن میں "ایک دن = ہزار سال" کہ اصل حقیقت بیان کرنے کے لیے نہیں بلکہ تقریبِ فہم کے لیے ہے، تاکہ انسان یہ سمجھے کہ خدائی وقت انسانی وقت سے ماورا ہے۔ ان خدائی دنوں کی اصل حقیقت کیا ہے، اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے، اور یہی مضمون سابقہ آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے

تدبیرِ امر اور فیصلوں کا نفاذ

- سورۃ السجدہ کی آیت کے مطابق اللہ آسمان سے زمین تک تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور فرشتوں کے ذریعے ان فیصلوں کو نافذ کرتا ہے۔ (يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاۗءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ) اللہ آسمان سے زمین تک کے ہر معاملے کی تدبیر کرتا ہے ' پھر یہ چڑھتا ہے اس کی طرف ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ہے ایک ہزار سال ' جیسے تم لوگ گنتے ہو
- اس منصوبہ بندی میں اللہ کے ہاں ایک دن انسانی گنتی کے مطابق ایک ہزار برس کے برابر ہوتا ہے۔ چ۔ نتیجتاً انسان کو سمجھ لینا چاہیے کہ خدائی فیصلے دیر سے نہیں ہوتے، بلکہ اپنے مقررہ وقت پر، کامل حکمت کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَىَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾

ظلم، نعمت اور ہلاکت کا قرآنی قانون

قرآن مجید نے انسان اور معاشروں کی تاریخ کو ایک واضح قانون کے تحت بیان کیا ہے

نعمت ← آزمائش ← شکر یا ظلم ← بقا یا ہلاکت

اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو امن، خوشحالی، اقتدار اور وسائل عطا کرتا ہے تو یہ محض انعام نہیں بلکہ ایک ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر قوم ان نعمتوں کو شکر، عدل اور اطاعتِ الٰہی کے ساتھ استعمال کرے تو نعمتیں دوام اختیار کر لیتی ہیں، لیکن جب یہی نعمتیں غرور، سرکشی اور ظلم کا ذریعہ بن جائیں تو وہی نعمتیں زوال اور تباہی کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں۔ قرآن بار بار واضح کرتا ہے کہ اللہ کسی قوم پر ظلم نہیں کرتا، بلکہ قومیں خود ظلم کا راستہ اختیار کر کے اپنے انجام کو دعوت دیتی ہیں۔

اسی قانون کے تحت اللہ تعالیٰ ظالم قوموں کو فوراً نہیں پکڑتا بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے، تاکہ وہ سنبھل جائیں، توبہ کریں اور اصلاح کی طرف لوٹ آئیں۔ لیکن جب مہلت کو غفلت، حق کی تکذیب اور ظلم میں گزار دیا جائے تو پھر اچانک گرفت آتی ہے، اور وہ ایسی ہوتی ہے کہ بستیاں ویران ہو جاتی ہیں، کنوئیں —— جو زندگی کی علامت ہوتے ہیں —— بیکار پڑ جاتے ہیں، اور مضبوط محلات عبرت کے کھنڈر بن جاتے ہیں۔ یہ مناظر محض تاریخ نہیں بلکہ ہر دور کے انسان کے لیے خاموش تنبیہ ہیں کہ اللہ کی نعمتیں اگر شکر کے بجائے ظلم میں بدل جائیں تو ہلاکت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ یوں قرآن ہمیں یہ شعور دیتا ہے کہ:

قوموں کی بقا کا راز نعمت میں شکر اور اقتدار میں عدل سے، اور زوال کی جڑ ظلم اور ناشکری

اضافی مواد

Reference Material

سورۃ الحج (39-48) : قرآنی محاورات اور آفاقی حقائق

- سورۃ الحج کی یہ آیات قرآنِ مجید کے اُن نہایت گہرے اور ہمہ گیر مقامات میں سے ہیں جہاں فرد، معاشرہ، تاریخ اور ہدایت کو ایک مربوط فکری سانچے میں پیش کیا گیا ہے۔ ان آیات میں جہاد کی اجازت، ظلم و عدل کا قانون، اقتدار کی ذمہ داریاں، سابقہ قوموں کا انجام، عبرت کے آثار، دل اور بصیرت کا تصور، اور خدائی تقویم (وقت) و مہلت جیسے بنیادی مضامین نہایت بلیغ اور محاوراتی اسلوب میں بیان ہوئے ہیں۔
- ان میں استعمال ہونے والی بعض ترکیبات اور جملے محض وقتی ارشادات نہیں بلکہ ایسے آفاقی اصول اور دائمی حقائق ہیں جو انسانی تاریخ کے ہر دور اور ہر معاشرے پر صادق آتے ہیں
- اس لیے اس بات کی بڑی اہمیت اور ضرورت ہے کہ ان اصطلاحات اور ترکیبات پر غور و فکر کیا جائے تاکہ قرآن کا وہ ہمہ گیر پیغام واضح ہو سکے جو انسان کو ظلم کے انجام، ہدایت کے تقاضوں اور دل کی بصیرت کی اہمیت سے آگاہ کرتا ہے۔ اسی مقصد کے تحت ان آیات کے اندر موجود محاوراتی ترکیبات اور آفاقی صداقتوں کو اکٹھا کیا گیا ہے، تاکہ ان کا مطالعہ کر کے ان میں موجود حکمت و اسباق پر غور و فکر کیا جا سکے

سورۃالحج (39-48): قرآنی محاورات اور آفاقی حقائق

1. وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ ..... اگراللہ لوگوں کوایک دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہے تو....
یہ جملہ قرآن کے ان عظیم سماجی وتاریخی قوانین میں سے ہے جو یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ دنیا میں توازنِ عدل طاقت کے تصادم ہی سے قائم رہتا ہے۔یہ ایک آفاقی اصول ہے کہ اگر ظلم کے مقابلے میں خیر کی قوتیں سر گرم نہ ہو تو دین، عبادت اور اخلاقی اقدار مٹ جائیں۔

2. وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ .... اللہ ضرور اس کی مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے....
یہ ایک قطعی قرآنی وعدہ اور مستقل قانون ہے، جو محض مسلمانوں نہیں بلکہ تاریخِ انسانی کے ہر دور پر صادق آتا ہے۔یہ جملہ بتاتا ہے کہ نصرت کا معیار تعداد یا طاقت نہیں بلکہ مقصد اور وابستگی ہے۔

3. الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ..... یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے
یہ آیت اقتدار کے اسلامی تصور کو ایک ہمہ گیر اخلاقی معیار میں ڈھال دیتی ہے۔یہ جملہ ہر دور کی حکومتوں کے لیے ایک کسوٹی ہے کہ اصل اقتدار نماز، عدل، زکوٰۃ اور اصلاحِ معاشرہ سے پہچانا جاتا ہے، نہ کہ محض طاقت سے

4. فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ..... ان سے پہلے بھی قوموں نے جھٹلایا تھا....
یہ ترکیب انسانی تاریخ کے تکراری رویّے(Recurring Pattern) کو بیان کرتی ہے۔ ہر حق کی دعوت کو ابتدا میں انکار، تمسخر اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے-یہ کوئی استثنا نہیں بلکہ تاریخ کا معمول ہے۔

سورۃ الحج (39-48): قرآنی محاورات اور آفاقی حقائق

5. فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ..... میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر پکڑ لیا....
یہ جملہ سنتِ الٰہی کا خلاصہ ہے کہ اللہ کی گرفت فوری نہیں بلکہ مہلت کے بعد آتی ہے۔
مہلت اصلاح کے لیے ہوتی ہے، مگر جب ظلم مستقل روش بن جائے تو پکڑ یقینی ہو جاتی ہے

6. فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ..... کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں حالانکہ وہ ظالم تھیں.... یہ ترکیب تاریخ کے سینے پر کندہ ایک دائمی حقیقت ہے۔ ظلم کے ساتھ آباد رہنے والی تہذیبیں خواہ کتنی ہی مضبوط ہوں، آخر کار مٹ جاتی ہیں

7. فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا..... وہ اپنی چھتوں پر الٹی پڑی ہیں.... یہ ایک نہایت بلیغ تصویری محاورہ ہے جو قوموں کے تہذیبی زوال کی زبردست منظر کشی کرتا ہے۔ یہ جملہ عربی ادب میں کامل ویرانی اور مکمل انہدام کی علامت سمجھا جاتا ہے

8. وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍ ..... ویران کنویں اور بلند محل.... یہ ترکیب زندگی کے دو ستونوں 'معاش اور اقتدار' کے بیک وقت زوال کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ جملہ بتاتا ہے کہ جب اخلاق تباہ ہو جائیں تو نہ وسائل بچتے ہیں نہ شان و شوکت۔

9. فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا ..... تاکہ ان کے دل ہوں جن سے وہ سمجھیں....
یہ جملہ قرآن کے تصورِ فہم کو واضح کرتا ہے کہ اصل سمجھ عقلِ محض نہیں بلکہ قلبی بصیرت سے آتی ہے۔ ایک آفاقی حقیقت ہے۔

سورۃ الحج (39-48) : قرآنی محاورات اور آفاقی حقائق

10. فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ..... آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں....

یہ قرآن کا ایک مشہور ترین فکری محاورہ اور انسانی المیے کی جامع تشریح ہے۔ یہ جملہ ہر دور میں اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اصل اندھاپن جسمانی نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی ہوتا ہے۔

11. وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ..... تمہارے رب کے ہاں ایک دن ہزار سال کے برابر ہے....

یہ ترکیب انسانی وقت اور خدائی وقت کے فرق کو بیان کرنے والی ایک کائناتی سچائی ہے۔ یہ جملہ انسان کی جلد بازی کو رد کرتا اور تاریخ کو اللہ کی تقویم میں سمجھنے کی دعوت دیتا ہے

12. وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ..... اور آخرکار میری ہی طرف لوٹنا ہے....

یہ مختصر مگر نہایت جامع جملہ پوری انسانی جدوجہد کی آخری منزل متعین کرتا ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر نظریے، ہر تہذیب اور ہر انسان پر حاوی ہے۔

قرآن کی نظر میں انسان کا باطن : قلب، فؤاد اور صدر

- قرآنِ مجید انسان کو صرف معلومات دینے کے لیے نہیں آیا بلکہ اسے بیدار کرنے، سنوارنے اور ہدایت کی طرف لانے کے لیے نازل ہوا ہے۔ اور اسی مقصد کے تحت وہ انسان کے ظاہر کے ساتھ ساتھ اس کے باطن کو بھی بار بار مخاطب بناتا ہے۔
- قرآن میں مختلف مقامات پر قلب، فؤاد اور صدر جیسے الفاظ کے ذریعے انسان کے اندرونی شعور، جذبات، نیتوں اور ارادوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ کہیں یہ بتایا گیا ہے کہ اصل اندھا پن آنکھوں کا نہیں بلکہ دلوں کا ہوتا ہے، کہیں دل کے الٹ جانے اور خالی ہو جانے کا ذکر ہے، اور کہیں سینے کی تنگی و کشادگی کو ایمان، اطمینان اور ہدایت کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔
- چونکہ یہ آیات مختلف سورتوں میں، مختلف سیاق و سباق کے تحت وارد ہوئی ہیں، اس لیے اگر انہیں الگ الگ پڑھا جائے تو ان کی گہرائی پوری طرح سامنے نہیں آتی اور فہم میں الجھن پیدا ہو سکتی ہے۔ حالانکہ یہ تمام ارشادات انسان کی ہدایت سے متعلق نہایت بنیادی اور فیصلہ کن حقائق پر مشتمل ہیں، جن کا تعلق براہِ راست اس کے ایمان، اخلاق اور انجام سے ہے
- اسی بنا پر ضروری ہے کہ ان آیات کو تالیفی اور مجموعی انداز میں سمجھا جائے، تاکہ قرآن کا وہ ہمہ گیر پیغام واضح ہو سکے جو انسان کو محض دیکھنے والا نہیں بلکہ صاحبِ بصیرت، زندہ دل اور بیدار ضمیر بنانا چاہتا ہے
- یہ مضمون اسی مقصد کے تحت مرتب کیا گیا ہے کہ قرآن کے ان تصورات کو یکجا کر کے دیکھا جا سکے، اور ان کے باہمی فرق اور ربط کو سمجھا جا سکے، تاکہ اپنی زندگی میں دل کی بینائی کو اصل کامیابی کا معیار بنایا جائے

قرآن کی نظر میں انسان کا باطن : قلب، فؤاد اور صدر

- **قلب** - قرآنِ مجید میں قلب ان معنوں میں آیا ہے جن معنی میں ہم اسے بطورِ ایک عضو کے جانتے ہیں یعنی Heart کے معنی میں، جو روح وحیات کا منبع ہے
  - فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ۲۵/۴۶، آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتی بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں
  - وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ ۳۳/۱۰،اور یاد کرو جبکہ آنکھیں پتھرا گئی تھیں اور دل، گلوں میں پہنچ گئے تھے
  - ... ألا وإنَّ في الجَسَدِ مُضْغَةً، إذا صَلَحَتْ، صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وإذا فَسَدَتْ، فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، ألا وهي القَلْبُ - (صحيحين)، سن لو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہو تو پورا بدن درست رہتا ہے اور اگر اس میں کوئی خرابی آجائے تو پورے بدن میں خرابی آجاتی ہے۔ سن لو! وہ دل ہے
  - اللہ تعالیٰ نے دل کو ہی عقل، فہم، سوچ اور فکر کے لیے مخاطب بنایا ہے، قرآن مجید سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بے شک قلب ایک عضو تو ہے لیکن عقل کا محل اور مقام بھی یہی قلب ہے دماغ نہیں، ے جیسے اللہ نے فرمایا کہ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا: ان کے دل ہیں، مگر ان سے سمجھتے نہیں ہیں (اور یہی قلب روح کا بھی مقام ہے)
  - قرآن مجید نے سوچنے سمجھنے کی نسبت دل کی طرف کی ہے کہ جس سے بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی لاحق ہوئی کہ یہ کام تو دماغ کا ہے لہٰذا قلب سے مراد دماغ ہے۔ حالانکہ ذرا سا غور کریں تو قرآن مجید اس معاملے میں واضح ہے کہ انسان کا سوچنا سمجھنا دو سطح پر ہے؛ حیوانی سطح پر اور انسانی سطح پر۔

قرآن کی نظر میں انسان کا باطن : قلب، فؤاد اور صدر

- حیوانی سطح پر انسان کا دیکھنا، سننا اور سوچنا اس کا تعلق کان، آنکھ اور دماغ سے ہے لیکن انسانی سطح پر دیکھنے، سننے اور سوچنے کا تعلق انسان کی روح سے ہے کہ جس کا محل، قلب ہے
- " آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں " اس آیت میں دیکھنے کی نسبت آنکھوں اور دل دونوں کی طرف ہے لیکن قرآن مجید نے یہ واضح کیا ہے کہ اصل بینا وہ ہے کہ جس کا دل بینا ہو۔ آنکھوں سے دیکھنے کا کام تو جانور بھی کر رہے ہیں

○ **فؤاد** کا معنی بھی دل لیکن یہ لفظ اس عضو کے لیے استعمال نہیں ہوتا جو سینے میں دھڑکتا ہے بلکہ اس مقام کے لیے استعمال ہوتا ہے جو انسان کے شعور و ادراک ، جذبات و خواہشات ، عقائد و افکار اور نیتوں اور ارادوں کا مقام ہے اس سورت (آیت ۱۱۰) میں جب اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم ان کے دلوں کو الٹا دیتے ہیں تو اس سے مراد وہ عضو نہیں کہ اس کو الٹ دیتے ہیں بلکہ دل سے متعلق خصوصیات (شعور و ادراک ، جذبات و خواہشات ، عقائد و افکار) کا الٹ جانا مراد ہیں

- فؤاد کا لفظ گرمی اور شدید حرارت پر دلالت کرتا ہے۔ للٰذا جہاں انسان کے جذبات کی شدت اور اس کی تاثیر کا ذکر آئے گا وہاں اس لفظ کا استعمال ہوگا، گویا فؤاد دل کی ایک کیفیت اور حالت ہے۔
- مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ۵۳/۱۱ آپ ﷺ کے دل نے اس کو نہیں جھٹلایا کہ جس کو آپؐ نے دیکھا۔ یہاں فؤاد سے مراد مقام معرفت ہے جو دل کی ایک حالت اور کیفیت ہے

قرآن کی نظر میں انسان کا باطن : قلب، فؤاد اور صدر

○ قرآن مجید کی ایک آیت میں فواد اور قلب دونوں لفاظ کو جمع کیا گیا ہے جس سے ان میں فرق کو سمجھا جا سکتا ہے

- وَأَصْبَحَ فُؤَادُ أُمِّ مُوسَىٰ فَارِغًا ۖ إِن كَادَتْ لَتُبْدِي بِهِ لَوْلَا أَن رَّبَطْنَا عَلَىٰ قَلْبِهَا لِتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۲۸/۱۰ ۔ اور موسی علیہ السلام کی والدہ کا دل خالی ہو گیا تھا اور قریب تھا کہ وہ راز کو ظاہر کر دیتیں اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے

- تو یہاں فؤاد (دل) کے خالی ہونے سے مراد پختگی اور میچورٹی کی کیفیت سے خالی ہونا ہے

- قرآن مجید میں جہاں جہاں فؤاد کا لفظ آیا ہے وہاں (۱) ایسا دل مراد ہے جو جذبات کی کسی کیفیت سے متعلق ہے یا (۲) وہاں مطلّقاً جذبات واحساسات مراد ہیں

- مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ۱۴/۴۳، (اور لوگ) سر اٹھائے ہوئے (میدان قیامت کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے ان کی نگاہیں ان کی طرف لوٹ نہ سکیں گی اور ان کے دل (مارے خوف کے) ہوا ہو رہے ہوں گے

- إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۱۷/۳۶، کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے یہاں دل سے مراد سوچ، فکر، جذبات واحساسات ہیں جو اچھے اور برے ہو سکتے ہیں

قرآن کی نظر میں انسان کا باطن : قلب، فؤاد اور صدر

- صَدْر : بمعنی سینہ (اور سینے کے اندر ہی دل ہوتا ہے)

- فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ 22:46 حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں مگر وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں
- کبھی صرف الصُّدُورِ کہہ کر قلوب مراد لے لیے جاتے ہیں ۔ اب چونکہ صَدْر کا تعلق ظرف زمان (Place adverb) سے ہے، یعنی صدر دل کا محل اور ظرف ہے لہٰذا اگر دل کی تنگی یا کشادگی کا ذکر مطلوب ہو تو صَدْر کا لفظ آئے گا مثلاً "ضیقِ صدر" اور "شرح صدر" :
- وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ، ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں ان سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے [15:97]
- أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۔(اے نبیؐ) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا؟ [94:1]
- اسی طرح راز کی بات کے چھپانے، خیالات، اور وساوس کے ذکر میں بھی صَدْر کا استعمال ہو گا

انسان کا مرکب وجود اور بصیرت کے دو درجے

انسان محض ایک جسم نہیں بلکہ مرکب وجود ہے

- انسان کے وجود کی دو مستقل جہتیں ہیں:
- (1) حیوانی / جسمانی وجود اور (2) روحانی وجود
- جسمانی وجود خالص حیوانی ہے، جس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جو جانوروں میں پائی جاتی ہیں، بلکہ اعلیٰ درجے میں
- روحانی وجود اس سے بالکل مختلف اور مستقل ہے، جو عالمِ ارواح میں پہلے پیدا کیا گیا، جبکہ جسم بعد میں عالمِ خلق میں وجود میں آیا
- ان دونوں وجودوں کا باہمی تعلق اور امتزاج "بلاقیاس" ہے۔ اس کی کیفیت انسانی ادراک سے ماورا ہے

علم اور ادراک کے دو الگ ذرائع

- حیوانی وجود کے ذرائعِ علم: آنکھ، کان، دماغ
- روحانی وجود کے ذرائعِ علم: فہمِ حق، بصیرت، شعورِ اخلاق، قبول یا رد کا فیصلہ
- قرآن جب حواسِ خمسہ (سمع، بصر) کا ذکر کرتا ہے تو وہ اکثر حیوانی سطح کے ادراک کی بات کرتا ہے
- لیکن ہدایت، ایمان اور عبرت کا تعلق روحانی سطح سے ہے، نہ کہ صرف معلوماتی سطح سے

قرآن نے سوچنے کی نسبت دل کی طرف کیوں کی؟

دل (قلب) = روحانی ادراک کا مرکز

- قرآن کہتا ہے: "آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں" (الحج: 46)
- یہاں اندھا پن جسمانی نہیں بلکہ روحانی اور اخلاقی ہے۔
- ابو جہل، ابو لہب اور ولید بن مغیرہ جیسے لوگ دیکھتے، سنتے اور سوچتے تھے، مگر صرف حیوانی سطح پر

حیوانی دیکھنا بمقابلہ انسانی

- دیکھنا تیز رفتار گاڑی دیکھ کر انسان بھی بچتا ہے اور جانور بھی، یہ حیوانی بصارت ہے
- لیکن تباہ شدہ قوموں کے کھنڈرات دیکھ کر عبرت حاصل کرنا انسانی بصیرت ہے
- قریش مکہ قافلوں کے ساتھ اجڑی ہوئی بستیوں سے گزرتے تھے، مگر دل اندھے ہونے کی وجہ سے سبق نہ لیتے تھے

⬇

- دماغ معلومات کو پروسیس کرتا ہے، لیکن دل (قلب) یہ طے کرتا ہے کہ حق کو ماننا ہے یا نہیں
- اسی لیے قرآن نے فہم، بصیرت اور اندھے پن کی نسبت دل کی طرف کی ہے
- اقبال کے الفاظ میں "دیدن دگر آموز، شنیدن دگر آموز" یعنی انسان کو حیوانی سطح سے اٹھ کر انسانی شعور تک پہنچنا ہوگا۔